شناسا سا اجنبی

عبدالجبار (عین۔جیم)

فہرست

۱۔ زندگی نے کہا
۲۔ بحران ہی بحران
۳۔ اچھا لگتا ہے
۴۔ اقبال کا شاہین
۵۔ تیرا یہ جانثا بیٹا
۶۔ کچھ کر ڈالیں
۷۔ اک بار پھر
۸۔ اجالا کب ہوگا
۹۔ انداز جدا جدا
۱۰۔ بدل دو تقدیر
۱۱۔ کردیں فنا اپنی انا
۱۲۔ میرے سپنوں میں
۱۳۔ بے وفا بھروسہ
۱۴۔ شاعری
۱۵۔ روکا نہیں کرتا
۱۶۔ کیا کہیں یہ ہے عشق
۱۷۔ انسان دشمن انسان
۱۸۔ یہ عید ہے کیسی عید
۱۹۔ تنہا رہ گئے
۲۰۔ غم و خوشی کا سماں
۲۱۔ سارے اک ورگے

عبدالجبار (عین جیم)

کردیں فنا اپنی اَنا اس کیلئے ـ ـ ـ

یہ کیسی قربانی ہے کہ ہر کوئی دکھلاوے کیلئے
ڈھونڈتا پھر رہا ہے اک جاندار قربانی کیلئے

اس کو قربان کرنا آسان ہے اپنے لئے
قربانی دو نفس کی تو پھر بات بنے اُس کیلئے

وہ تو جانتا ہے حال دلوں کے سب سے بہتر
ہم تو کرتے ہیں قربانی رسمِ دنیا نبھانے کیلئے

کیا کہے گا زمانہ نہ ہوئی قربانی تو ہمیں
کیا کر رہے ہیں ہم قربانی اس کی رضا کیلئے

کر لیا ہفتوں کیلئے زخیرہِ گوشت عید پر
عید کے بعد مانگے بھی تو نایاب ہے حقدار کیلئے

کر دیں قربانی نفرتوں کی آج اس کیلئے
چلو جلائیں محبتوں کے چراغ اس کیلئے

زرا مشکل ہے بدلنا اپنے آپ کو یوں تو
کر دیں قربان اپنی آن آج اس کیلئے

کریں عہد اس عید قربان پر ہم بھی
مانیں گے ہر بات اس کی رضا کیلئے

آؤ کر دیں فنا اپنی اَنا اس کیلئے
ہو جائے حق ادا قربانی کا اس کیلئے ـ ـ ـ

میرے سپنوں میں ۔۔۔۔

بنا اجازت کیوں آتے ہو میرے سپنوں میں
کہیں آیا ہوا نہ ہو کوئی اور بھی میرے سپنوں میں

اور بھی ہیں چاہنے والے ہیں منتظر آنے کیلیئے سپنوں میں
اگر انکار کیا تو روٹھ نہ جائیں کہیں سپنوں میں

نا جانے کب تک آتے رہو گے میرے سپنوں میں
کب سے منتظر ہوں کہ تم آؤ گے میرے سپنوں میں

تم سے تو ملنے کی حسرت ہی رہے گی اس دل میں
کیسے بلائیں تمہیں کہ ملنا ہے تم سے سپنوں میں

آج جو مل رہے ہو بالا مشافہ اس طرح
کیسا لگتا تھا تمہیں ملنا ہمارے سپنوں میں

کیسی دل لگی ہے اب اسی لئے ہم تو
سمیٹتے ہی رہ گئے خوابوں کی کرچیوں کو سپنوں میں

تم جو کہتے ہو کہ اب نا بات کرو ہم سے یوں
اب کیسے جیئں گے ہم تمہارے بنا ان سپنوں میں

آج تو بیٹھے ہیں ساری رات آنکھیں کھولے
کیسے آؤ گے اب تم بھی ہمارے سپنوں میں ۔۔۔

جہالت کا اندھیرا چھا رہا ہے ہر سُو
میرے دیس میں علم کا اُجالا کب ہو گا

مایوسیوں کے سائے بڑھتے ہی چلے گئے
میری حسرتوں کا مداوا کب ہو گا

دن دھاڑے انسان ہوتے ہیں قتل یہاں
دوستوں میں چُھپا قاتل بے نقاب کب ہو گا

میں اپنے قتل کا حساب کس سے مانگوں
ہیں رہبر ہی قاتل تو فیصلہ کب ہو گا

کس کے سر ڈالیں اس بگاڑ کا ملبہ
ان گتھیوں کو سلجھانے کا ارادہ کب ہو گا

لُوٹ رہیں ہیں دونوں ہاتھوں سے سبھی مل کر
ان غداروں کو تختۂ دار پر لٹکانا کب ہو گا

پِس رہے ہیں ظلم کی چکی میں میرے ہم وطن
ان وڈیروں، سرداروں سے چھٹکارا کب ہو گا

کر رہے ہیں خودکشی مُفلسی کے ہاتھوں لوگ
مہنگائی کے اس دور کا خاتمہ کب ہو گا

چھوڑ کے جا رہے ہیں وطن اہلِ علم و دانش
اسے بچانے کیلئے روکنے کا منصوبہ کب ہو گا

اور ہر طرف سے ہے یلغار غیروں کی
میرے جوانوں کو نمٹنے کا اشارہ کب ہو گا

فقط اک سوچ چاہیے اسے سنوارنے کیلئے
مجھے اس بار اٹھنے کا اشارہ کب ہو گا ۔۔

محبتوں کے ہوتے ہوئے بھی روٹھے اگر کوئی
ایسے بے وفاؤں کو روکا نہیں جاتا

آتے ہیں جو کسی کے خوابوں میں ہمیشہ
حقیقت میں انہیں کبھی چھوا نہیں جاتا

تمہاری بے رخی کا کیا شکوہ کرے کوئی
یوں چاہنے والوں کو رسوا کیا نہیں جاتا

دیکھا جو انہیں اک نظر، دل میں اتر گئے
اقرار ہو جاتا ہے وفا کو مانگا نہیں جاتا

ہے کہاں کی رواداری، کہاں کی محبت یارو
بھروسہ ہو جس پر اسے دھوکہ دیا نہیں جاتا

چلی ہیں گرم ہوائیں چاروں طرف ویرانیں میں
تیر نظر سے قتل کر دو، خنجر سے اپنوں کو مارا نہیں جاتا

چرچہ ہے خودغرضی کا اس زمانے میں
یہاں پہ حق چھینا جاتا ہے مانگا نہیں جاتا

شام ڈھلے چل دیئے سائے بھی غیروں کی طرح
غیروں کی مسکراہٹ کو اپنا کہا نہیں جاتا

شاعری۔۔۔۔۔۔۔۔

لمحات فرصت ہوں میسر گر کسی کے پاس
اک خیال کافی ہے اس قلم کے چلنے کو

شاعری کوئی کھیل نہیں جس سے بچے کھیلیں
درد دل چاہیے اس سفر پہ چلنے کو

سوچ وفکر کے عکس میں لفظوں کی تصویر کشی
کچھ مشقت چاہیے دھنک کے رنگ بھرنے کو

چلتی رہے گی نوک پلک اب تو یوں ہی سدا
اک سوز وگداز چاہیے ہمسفر بننے کو

یہ ہے اک انمول موتی گر کوئی سمجھے اسے
اک مدتِ صبر چاہیے اس منزل کو سر کرنے کو

حساس جذبوں کی آبیاری بس کام ہے اپنا
آرہی ہے سوندی خوشبو لفظوں کے نم کرنے کو

آتے ہوئے خیالوں کو لفظوں نے جو قید کیا
لفظوں کے ان رشتوں سے غم اپنے کم کرنے کو

اک کسک سی اٹھتی ہے سینے میں اے لوگو
شوقِ شعروادب تو بس ہے آخری دم بھرنے کو ''

8 تنہا رہ گئے ۔ ۔ ۔

سرِ شام جو دستک ہوئی دروازے پر
دیکھا جو باہر تو وہ تھے ہم حیران رہ گئے

قدم اٹھے ان کے اور چاند ہمارے آنگن میں
چاند نے جب دیکھا وہ بھی شرما کے رہ گئے

کچھ دیر بیٹھنے کے بعد ہوئے ہم کلام ہم سے
انتظار کیسا لگا تمہیں اور ہم تو تنہا رہ گئے

پہنایا جو بانہوں کا ہار ان کے گلے میں ہم نے
اک نظر دیکھا ہمیں اور وہ شرما کے رہ گئے

ان کے گیسوؤں کی خوشبو سانسوں میں بس گئی
ان سے ٹکرائے ہوئے جھونکے بھی معطر ہو گئے

ان کے لبوں کی تپش کیا غضب ڈھا گئی
ہم نے لمس محسوس کیا اور چکرا کے رہ گئے

گری فاصلوں کی فصیل اور قربت بڑھ گئی
مٹ گئی دوریاں، وہ ہمارے ہم نشین ہو گئے

آؤ اک دوسرے کو گلے لگا لیں ابھی
برسوں پرانی جدائی کو وہ امر کر گئے

رات گئے چمکتے ستارے بھی آسمانوں پر
میرا دوست ہے میرے ساتھ اور وہ گواہ بن گئے

آیا جو وقت بالآخر ان کی جدائی کا
عجب منظر تھا جب آنسو آنکھوں سے لبریز ہو گئے

وہ چلے گئے اس دفعہ بھی ہمارے ہاں آ کے
جلد اک اور ملاقات کی امید دلا گئے

,,

آج منتظر تھے ان کے برسوں بعد
وعدہ ملاقات تھا ہم منتظر ہی رہ گئے

انداز جُدا جُدا۔۔۔۔

دل میں آتی ہے یاد اس کی مگر
اس کو سوچنے کے ہیں انداز جدا جدا

ہم جو چاہتے ہیں حسرتوں کی تکمیل
پر ہیں ہر ایک کی خواہشیں جدا جدا

ان سے ملنے کا اشتیاق تھا ہمیں
لیکن وہ چاہتے ہیں فاصلے زرا زرا

بھلا سا لگتا ہے احساس ان کی قربت کا
ورنہ یوں تو تھی زندگی رواں دواں

کوئی مانگتا ہے رہائی قید سے
اور کوئی مانگتا ہے تنہائی جدا جدا

ہم سے تقرار لا حاصل ہے یوں تو
فیصلوں نے بڑھا دیئے فاصلے زرا زرا

میرے غمزدہ ہونے کو بھلا کیا کہے کوئی
وہ تو ان کی مسکراہٹ کو کہتے ہیں سدا سدا

ہر کوئی امیدیں لگائے بیٹھا ہے اس سے
نا جانے کیوں ہر اک کا ہے خدا جدا جدا

روکا نہیں کرتا۔۔۔۔

مرجاؤں گا لبوں پر شکوہ نہ آنے دوں گا
کوئی کرے جفا پھر بھی میں روکا نہیں کرتا

اچھا رہنا سب کے ساتھ عادت ہے بہت اچھی
میں کتنا چل سکوں گا ساتھ کس کے وعدہ نہیں کرتا

سبھی کہتے ہیں آگے بڑھو ذرا تیزی سے
میں تو سفر کو جلد بازی میں کیا نہیں کرتا

یوں تو لڑتا ہوں میں اپنی جنگ خود
پر کسی کو میں مدد کیلئے بلایا نہیں کرتا

ہوگیا ہوں ان کا بالآخران کے اسرار کرنے پر
کرلوں اک بار فیصلہ تو پھر میں سوچا نہیں کرتا

جب بھی گزرتا ہوان کے شہر کے قریب سے
بیتے دنوں کی یاد سے بچنے کیلئے میں رکا نہیں کرتا

ہوتے ہیں گلشن میں ہزاروں پھول لیکن
بن کھلے پھولوں کو میں توڑا نہیں کرتا

مے کدہ سے باہر تو سبھی سنبھل جاتے ہیں
میں تو اندر جا کر بھی بہکا نہیں کرتا

(عبدالجبار) کراچی

۱

بدل دو تقدیر

اٹھو اور بدل ڈالو اپنی تقدیر میرے یار
یہی ہے وقت مداوے کا میرے یار

آج سے اک نئے سفر کا آغاز ہے میرے یار
نئی منزل کی شروعات ہے میرے یار

لوگ کہتے ہیں کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا
لیکن آپ نے ناممکن کو ممکن کر دکھانا ہے

ترقی کو چھو کے دکھانا ہے
منزل پہ پہنچ کے دکھانا ہے

کون کہتا ہے کہ اب وقت نہیں ہے کچھ کرنے کا
ابھی تو آغاز ہوا ہے نئی منزل کو سر کرنے کا

اک چاہنے والے سے وعدہ کیا ہے کچھ کرنے کا
اپنے آپ کو فتح کرنے کا دوسروں کا دم بھرنے کا

دل تو چاہتا ہے بدل ڈالوں اس دنیا کا رخ
پر ہمسفر آتے نہیں نظر کہ ساتھ ہو جنکا

پھر سوچتا ہوں اکیلے ہی چل نکلوں جانب منزل
شاید کہ منتظر ہوں کچھ اور بھی رستے میں

یہی سوچ کر قلم اٹھایا ہے اک بار پھر
شاید کہ قدم اٹھ جائیں اک بار پھر

دوستوں کو بھی لے چلیں ساتھ اپنے
وہ بھی ہمسفر ہو جائیں اک بار پھر

کہنے کو تو منزل بہت قریب ہے لیکن
رستے کے سنگ روکتے ہیں اک بار پھر

حالات ٹھیک نہیں پر سفر تو کرنا ہے
انہیں حالات کا رخ درست کرنا ہے

کیا کیا کرنا ہے یہی سوچتے رہنا
ناممکن کیسے ممکن ہو یہی سوچتے رہنا

یہ عید ہے کیسی عید!!

یہ عید ہے کیسی عید خوشیاں بھی ہیں اور غم بھی بہت
اپنوں کی جدائی آنسوؤں میں ڈھلی
اجڑ گیا میرا سارا وطن بکھر گیا میرا سارا وطن

یہ عید ہے کیسی عید!!

وطن پہ آن پڑی ہے مشکل
سرکار ہماری کو کیا ہے خبر
ان کو تو ہے بس اپنی خبر

یہ عید ہے کیسی عید!!

اپنے بھی کھڑے ہیں غیروں کی طرح
اس مشکل گھڑی میں ساتھ ہو اپنا
شاید نہ ملے پھر موقع کبھی

یہ عید ہے کیسی عید!!

دے دیں اپنی خوشیاں آدھی
لے لیں آدھے غم بھی ان سے
آؤ بانٹیں آج غم بھی ان کے

یہ عید ہے کیسی عید!!

کیا شکوہ کریں افسوس کریں
اپنوں سے کہیں غیروں سے کہیں
غیروں نے بھی ہمیں دھتکار دیا

یہ عید ہے کیسی عید!!

یہ اپنوں کی وجہِ خودغرضی ہے
راہ کٹھن پہ پل دو پل کا ساتھ نہیں
یہ دل کی لگی اب کس سے کہیں

یہ عید ہے کیسی عید!!

۳ کچھ کر ڈالیں ....

ہے موت کی امانت یہ زندگی اسی لئے
اس سے پہلے کہ ختم ہو مہلت کچھ کر ڈالیں

ملا ہے موقع کچھ زندگی کے پر خار لمحوں کا
اس سے پہلے کہ لمحے گزر جائیں کچھ کر ڈالیں

ہے مقصد حیات کیا آؤ سمجھیں زرا اسے
سمجھیں، سمجھائیں اور پھر کچھ کر ڈالیں

وقت گزر جائے ہم سوچتے ہی رہ جائیں
وقت گزرے کہ اس سے پہلے کچھ کر ڈالیں

کل کا پتہ نہیں آج کو غنیمت جانیں
اس بے وفا زندگی میں ہی کچھ کر ڈالیں

منصو بہ ہے برسوں کا، پل کی خبر نہیں
سنگ چلیں اپنوں کے اور کچھ کر ڈالیں

تھام کے ہاتھ اک دوسرے کا پُرعزم رہو
اسی عزم کے سہارے سمندر پار کر ڈالیں

کسی طوفان کا پتہ دیتی ہے یہ خاموشی
اسی طوفان کی لہروں پہ سفر کر ڈالیں

انسان دشمن انسان

کاش کہ تو پہچان لے اپنا مقام اے انسان
سمجھ لو تو نے پالیا اپنا منصبِ بندگی کا مقام

کی عطا تجھے وہ بلندی خدا نے جس کو
فرشتے بھی نہ پا سکے وہ مقام بلند و بالا

شیطان تو پھر بھی ہے رکھوالا اپنے چیلوں کا
پر تو تو نکلا دشمن جاناں اپنے ہے بھائیوں کا

سر جھکا دیا تو نے انسانیت کا یہاں
شیطان کے اس قول کی تصدیق ہو گئی

فساد برپا کر کے رہے گا یہ اس جہاں میں
نہ کہ مرہم رکھے گا انسانیت کے زخموں پر

تو تو شاہین تھا اقبال کے خوابوں کا
نا جانے کس کے بھکاوے میں آ کر

کھو دیا وہ مقام جس کا تو مستحق تھا لیکن
خدا تو چاہتا ہے تیرا اشرف مقام اب بھی

انسانیت کا خون بہایا تو نے ہر چار سو
انسان ہی نکلا دشمن انسان کا چار سو

بھوک وافلاس سے بھی دوچار کیا تو نے اسے
یہ نہ دیکھا کہ وہ بھی تیری طرح کی مخلوق ہے

پوری دنیا پہ حکمرانی کا نشہ چاہتا ہے یہ
دوسرے انسانوں کو سِسکانا چاہتا ہے یہ

ہم نے نہ سنا کبھی کہ حیوانوں نے کیا حملہ
حیوان تو دوست ہیں اپنی ہی نسل کے

اے حضرت انسان تو نے کیا کیا یہ ماجرا
اپنا یہ اختیار تو نے آزما دیا کہاں

اپنے ہی ہاتھوں تباہی اپنوں کی تیرے سر
کاش کے تو پا جائے سراغ زندگی اپنا

اک طرف کالے مریں جو بھوک سے
اک طرف گورے بہائیں گندم ڈھیروں

آؤ کرائیں دوستی اس انسان کی انسان سے
ہو جائے امن اس انسان دشمن انسان سے

کیا کہیں یہ ہے عشق۔۔؟؟؟

جو ہو جائے کسی کی دولت سے نہ کہو اسے بھی عشق
آج یہاں تو کل کسی دوسرے سے کر لے یہ دوستی

گر ہو جائے کسی کی صورت سے تو نہ ہوا یہ بھی عشق
زوال ہے خوبصورتی کو اور ڈھلی عمر کو تو ہوا نہ یہ بھی عشق

جس جسم سے پیار ہوا پر رہا وہ بھی نہ سدا بہار
جسم مرجھا جائے تو رہا نہ یہ بھی سدا عشق

جو کسی کی روح سے ہوا تو اصل میں یہ ہی ہے وہ عشق
کسی سوچ سے، اونچے خیالات سے تو ہوا اب یہ عشق

عشق کی ناؤ چلتی ہے وہاں جہاں ہو قدرِ انسانی
انسان کی ناقدری والے کیا جانے عشقِ انسانی

اصول اور خوبیاں ہی بناتی ہیں لائق عشق
گم گیا کہیں میرا وہ انسان جو تھا لائق عشق

مل جائے کہیں اس لائق، کوئی انسان تو مجھے خبر دینا
میں بھی آن پہنچوں گا وہیں مجھے خبر دینا

انسان دشمن انسان

کاش کہ تو پہچان لے اپنا مقام اے انسان
سمجھ لو تو نے پالیا اپنا منصبِ بندگی کا مقام
کی عطا تجھے وہ بلندی خدا نے جس کو
فرشتے بھی نہ پا سکے وہ مقام بلند و بالا

شیطان تو پھر بھی ہے رکھوالا اپنے چیلوں کا
پر تُو تو نکلا دشمن جاناں اپنے ہے بھائیوں کا
سر جھکا دیا تو نے انسانیت کا یہاں
شیطان کے اس قول کی تصدیق ہو گئی

فساد برپا کر کے رہے گا یہ اس جہاں میں
نہ کہ مرہم رکھے گا انسانیت کے زخموں پر
تو تو شاہین تھا اقبال کے خوابوں کا
نا جانے کس کے بھکاوے میں آ کر

کھو دیا وہ مقام جس کا تو مستحق تھا لیکن
خدا تو چاہتا ہے تیرا اشرف مقام اب بھی
انسانیت کا خون بہایا تو نے ہر چار سو
انسان ہی نکلا دشمن انسان کا چار سو

بھوک و افلاس سے بھی دوچار کیا تو نے اسے
یہ نہ دیکھا کہ وہ بھی تیری طرح کی مخلوق ہے
پوری دنیا پہ حکمرانی کا نشہ چاہتا ہے یہ
دوسرے انسانوں کو سِسکانا چاہتا ہے یہ

ہم نے نہ سنا کبھی کہ حیوانوں نے کیا حملہ
حیوان تو دوست ہیں اپنی ہی نسل کے
اے حضرت انسان تو نے کیا کیا یہ ماجرا
اپنا یہ اختیار تو نے آزما دیا کہاں

اپنے ہی ہاتھوں تباہی اپنوں کی تیرے سر
کاش کے تو پا جائے سراغ زندگی اپنا
اک طرف کالے مریں جو بھوک سے
اک طرف گورے بہائیں گندم ڈھیروں

آؤ کرائیں دوستی اس انسان کی انسان سے
ہو جائے امن اس انسان دشمن انسان سے

انسان دشمن انسان

کاش کہ تو پہچان لے اپنا مقام اے انسان
سمجھو کہ تو نے پالیا منصبِ بندگی کا مقام

کی عطا تجھے وہ بلندی خدا نے جس کو
فرشتے بھی نہ پا سکے وہ مقام بلند و بالا

شیطان تو پھر بھی ہے رکھوالا اپنے چیلوں کا
پر تُو تو نکلا دشمن جاناں اپنے ہے بھائیوں کا

سر جھکا دیا تو نے انسانیت کا یہاں
شیطان کے اس قول کی تصدیق ہو گئی

فساد برپا کر کے رہے گا یہ اس جہاں میں
نہ کہ مرہم رکھے گا انسانیت کے زخموں پر

تو تو شاہین تھا اقبال کے خوابوں کا
نا جانے کس کے بھکاوے میں آ کر

کھو دیا وہ مقام جس کا تو مستحق تھا لیکن
خدا تو چاہتا ہے تیرا اشرف مقام اب بھی

انسانیت کا خون بہایا تو نے ہر چار سو
انسان ہی نکلا دشمن انسان کا چار سو

بھوک و افلاس سے بھی دوچار کیا تو نے اسے
یہ نہ دیکھا کہ وہ بھی تیری طرح کی مخلوق ہے

پوری دنیا پہ حکمرانی کا نشہ چاہتا ہے یہ
دوسرے انسانوں کو سسکانا چاہتا ہے یہ

ہم نے نہ سنا کبھی کہ حیوانوں نے تباہ کیا
اپنی ہی نسل کشی کے جھنڈوے بلند کیے

اے حضرت انسان تو نے کیا کیا یہ ماجرا
اپنا یہ اختیار تو نے آزما دیا کہاں

اپنے ہی ہاتھوں تباہی اپنوں کی تیرے سر
کاش کے تو پا جائے سراغ زندگی و سفر

اک طرف کالے مریں جو بھوک سے
اک طرف گورے بہائیں گندم غرور سے

آؤ کرائیں دوستی اس انسان کی انسان سے
ہو جائے امن اس انسان دشمن انسان سے

یہ عید ہے کیسی عید۔۔۔

کیسی آئی عید غم خوشیوں سے ایسے لپٹے
جیسے پائل پاؤں سے چمٹے۔۔۔۔۔۔۔۔کیسی آئی عید

آنسو آنسو بنی جدائی دور دور تلک خاموشی چھائی۔۔۔۔۔۔کیسی آئی عید
اجڑا وطن ہے میرا سارا ہر باسی سیلاب کا مارا۔۔۔۔۔۔۔کیسی آئی عید

آن پڑی ہے وطن پہ مشکل
سب حاکم ہیں پتھر کے دل۔۔۔۔۔۔۔کیسی آئی عید

بکھرے بکھرے تارے ہیں کیا
ہوں اپنے یا غیر اس مشکل میں
ہاتھ پکڑ لو بن جاؤ زنجیر۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیسی آئی عید
بن جائے گا سارا منظر پھر سے قابل دید۔۔کیسی آئی عید

ان کے آدھے غم کو لے لو
کچھ اپنی خوشیوں کو دے دو
وقت کو دو نوید۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیسی آئی عید